پاکستان میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی مصروفیات
لکچر تقریریں اور استقبالیے

از جناب ابوظفر حسان احمد خاں صاحب ریسرچ اسکالر۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی پچھلے دنوں پاکستان گئے تھے جہاں ان کا قیام ۲۷ مئی سے ۱۳ جولائی تک رہا۔ اس مدت میں وہ پہلے لاہور گئے، وہاں سے اسلام آباد، پھر کراچی۔ واپسی لاہور سے ہی ہوئی اس لئے لاہور میں کراچی سے واپس ہوکر بھی قیام ہوا، مولانا کا یہ سفر صرف اپنے اعزہ اقربا، اور دوست، احباب سے ملنے ملانے کے لیے تھا۔ اور تقسیم کے بعد یہ ان کا پہلا سفر تھا، یہاں سے روانگی سے قبل مولانا نے عہد کیا تھا کہ وہ پاکستان میں کوئی تقریر نہیں کریں گے لیکن موصوف کو ان کے علمی و تحقیقی کارناموں کی وجہ سے برصغیر ہند و پاک کے علمی تحقیقی اور دینی اداروں میں جو شہرت اور مقبولیت حاصل ہے اس کے باعث ہر جگہ یونیورسٹیوں، کالجوں اور دوسرے اداروں نے ان کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہ سکیں۔ چونکہ یہ تمام لکچر اور تقریریں تاریخ کا ایک باب ہیں اس لئے ہم ذیل میں اس کی روئداد قلم بند کرتے ہیں[1]۔

---

[1] ہماری یہ روئداد پروفیسر مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی کی ذاتی ڈائری اور ان اخبارات پر مبنی ہے جو موصوف اپنے ساتھ لائے ہیں

مولانا ۲۷ مئی کی صبح کو فیروزپور کے راستے سے لاہور پہونچے اور اپنے داماد ڈاکٹر محمد اسلم صاحب استاذ تاریخ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے یہاں قیام کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اسی دن شام کو ایک پرتکلف عصرانہ کا انتظام کر رکھا تھا جس میں مولانا کے دیرینہ دوست پروفیسر شیخ عبدالرشید ڈاکٹر عبادت بریلوی، پروفیسر وزیر الحسن عابدی، پروفیسر ظفر احمد قریشی اور دوسرے ارباب علم و ادب موجود تھے۔ ایک عرصہ کے بعد ان دوستوں سے مل کر بڑی مسرت ہوئی اور دیر تک علمی اور ادبی موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی، اس عصرانہ میں گورنمنٹ انٹر کالج کے پرنسپل حافظ منظور الحق عثمانی بھی موجود تھے ان کے کالج میں ۳۰ مئی بروز جمعہ سیرۃ النبیؐ پر ایک جلسہ ہو رہا تھا، پرنسپل صاحب نے مولانا سے باصرار درخواست کی کہ وہ بھی اس جلسے میں شریک ہوں اور تقریر کریں اصرار اتنا شدید تھا کہ مولانا انکار نہ کر سکے۔ چنانچہ جلسے میں شریک ہوئے اور "رحمت عالم" کے موضوع پر ایک گھنٹہ تقریر کی۔ اس جلسہ کی صدارت جسٹس بدیع الزماں کیکاؤس نے کی تھی۔ جلسہ ایک عظیم الشان پنڈال میں منعقد ہوا تھا جو طلبہ، اساتذہ اور بعض بیرونی مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس جلسہ میں اردو زبان کے مشہور مصنف پروفیسر یوسف سلیم چشتی اور بعض دوسرے حضرات جیسا کہ انھوں نے کہا اخبارات میں مولانا کی تقریر کا اعلان پڑھ کر ہی شریک ہوئے تھے۔

دوسرے دن یعنی ۳۱ مئی کو شاہین ڈگری کالج لاہور میں مولانا کو ایک عصرانہ دیا گیا جس میں کالج کے اساتذہ کے علاوہ بیرونی حضرات میں سے پروفیسر علم الدین سالک، پروفیسر محمد سرور اور دوسرے ارباب علم و ادب موجود تھے عصرانے کے بعد "اسلام اور سوشلزم" کے عنوان پر ایک مذاکرہ ہوا اور مولانا نے اس موضوع پر تقریر کی۔

۳ جون کو مولانا کی مصروفیت بہت زیادہ رہی کیونکہ اس دن صبح ۹ بجے لاہور چھاؤنی کے مسلم ہائی اسکول میں سیرت کے موضوع پر طلبہ اساتذہ اور چند بیرونی حضرات کو خطاب کیا اور عشاء کے بعد امامیہ مشن کے زیر اہتمام ایک جلسۂ سیرت میں تقریر کی۔ اسی دن شام کو ڈاکٹر سید عبد اللہ نے پاکستان اردو اکیڈمی میں ایک پرتکلف اور وسیع پیمانے پر استقبالیہ دیا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف برصغیر ہند و پاک کے

مشہور فاضل اور نامور مصنف ہیں پہلے پنجاب یونیورسٹی میں اردو کے پروفیسر اور اورینٹل کالج لاہور کے پرنسپل تھے اب وہاں سے سبکدوش ہو کر اکیڈمی کے چیرمین ہیں۔ یہ اکیڈمی اردو کا سب سے زیادہ پرچار کر رہی ہے اور اس نے چند برسوں ہی میں سائنس اور دوسرے علوم کی بہت سی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کر کے چھاپا ہے اور ایک اردو انسائیکلوپیڈیا بھی تیار کر رہی ہے اس کا دفتر ایک وسیع اور کشادہ مکان میں واقع ہے۔ ڈاکٹر صاحب سے مولانا کے ذاتی تعلقات کم وبیش چالیس برس پرانے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے علمی کاموں کے بڑے قدرداں اور مداح ہیں۔ استقبالیہ میں اردو اکیڈمی کے ارکان کے علاوہ لاہور کے نمایاں ارباب علم و ادب بھی موجود تھے۔ اس مجلس میں دیر تک ادبی مذاکرہ رہا۔ اس میں مولانا نے تفصیل سے بتایا کہ ہندوستان میں اردو زبان کے علمی، ادبی اور تصنیفی ادارے کیا کیا کام کر رہے ہیں اور ان کاموں کی کیا اہمیت ہے۔ سب حضرات نے اس پر اپنی خوشی کا اظہار کیا اور انھوں نے تسلیم کیا کہ ہندوستان کے بعض علمی اداروں کے کام اتنے اونچے ہیں کہ پاکستان میں اب تک ان کا جواب پیدا نہ ہو سکا۔

۵ جون کو پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کی طرف سے ایک استقبالیہ دیا گیا جس میں شعبے کے تمام اساتذہ، طلبہ اور طالبات نے شرکت کی اور چائے نوشی سے فراغت کے بعد صدر شعبۂ تاریخ پروفیسر محمد یاور خاں کی صدارت میں ایک بڑا جلسہ منعقد ہوا جس میں مولانا نے صنف نسواں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کے موضوع پر سوا گھنٹہ تقریر کی۔ اس کے بعد طلبہ اور طالبات نے کچھ سوالات کئے اور موصوف نے اس کے جوابات دئے۔

اسی دن شام کو عشاء کے بعد سمن آباد لاہور کی مشہور اور عظیم الشان مسجد خضرا میں سیرت پر تقریر کی، مسجد سامعین سے بھری ہوئی تھی ـــــ اسی دن پنجاب یونیورسٹی لاہور کے وائس چانسلر پروفیسر علاء الدین صدیقی نے مولانا کو ایک نہایت پرتکلف لنچ یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامیات میں دیا اس میں شعبۂ اسلامیات کے اساتذہ اور ریسرچ اسکالرس کے علاوہ یونیورسٹی کے بعض دوسرے شعبوں کے پروفیسر اور چند بیرونی ارباب علم و ادب بھی موجود تھے ـــ اس مجلس میں اسلام کے

اصول قانون سازی پر مذاکرہ بھی ہوا اور مولانا نے اس موضوع پر دیر تک اظہار خیال کیا ——
پنجاب یونیورسٹی کا شعبۂ اسلامیات بڑا عظیم الشان اور ترقی یافتہ شعبہ ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ اساتذہ اور طلبہ وطالبات کی کثرت تعداد کے علاوہ اس شعبہ کی لائبریری عظیم الشان اور قابل دید ہے۔
اس وقت جو طلبہ اور طالبات اس شعبہ کے ماتحت ریسرچ کا کام کر رہے ہیں ان کی تعداد ایک درجن سے زیادہ ہے —— پروفیسر علاء الدین صدیقی وائس چانسلر ہونے سے پہلے اس شعبے کے پروفیسر اور صدر تھے، موصوف ایک متبحر اور محقق عالم وفاضل ہونے کے علاوہ نہایت دیندار اور بہت ہی منتظم انسان ہیں۔

۷رجون کو ہفت روزہ چٹان کے مشہور اڈیٹر اور اردو زبان کے نامور ادیب، شاعر، اور خطیب جناب آغا شورش کاشمیری نے اپنی کوٹھی پر ایک ڈنر دیا جس میں تکلفات کی حد کر دی گئی تھی۔ اس ڈنر میں پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی علامہ اقبال کے فرزند ڈاکٹر جاوید اقبال، شیخ محمد اشرف (مشہور تاجر کتب)، ڈاکٹر محمد اسلم، مسٹر مجید نظامی ایڈیٹر "نوائے وقت"، میاں محمد طفیل نائب امیر جماعت اسلامی، مولوی محمد عبداللہ قریشی ایڈیٹر ادبی دنیا کے علاوہ اور بہت سے حضرات جو لاہور کی علمی اور ادبی سوسائٹی کے نمایاں ارکان ہیں۔ کثیر تعداد میں موجود تھے۔ اگرچہ شورش صاحب سے یہ پہلی ملاقات تھی لیکن موصوف کو مولانا کے ساتھ عرصہ دراز سے بڑی عقیدت اور محبت ہے جس کا اظہار انھوں نے نہ صرف اس موقع پر بلکہ لاہور کے زمانۂ قیام میں اور بھی متعدد مواقع پر کیا —— آج کل پاکستان میں اسلام اور سوشلزم کی بحث بڑے زور شور سے چل رہی ہے چنانچہ اس موقع پر بھی ڈنر کے بعد شورش صاحب نے سوشلزم اور کمیونزم کے خلاف اپنے خاص انداز میں نہایت پرجوش تقریر کی۔ مولانا اکبرآبادی صاحب نے بھی اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار بڑی سنجیدگی اور متانت کے ساتھ کیا جس کو مجمع نے دلچسپی سے سنا۔ شورش صاحب کو مولانا ابوالکلام آزاد سے غیر معمولی محبت بلکہ اس درجہ عشق ہے کہ غالباً ان کی گفتگو اور کوئی تقریر ایسی نہیں ہوتی جس میں کسی نہ کسی عنوان سے وہ مولانا ابوالکلام آزاد کا ذکر جذباتی انداز میں نہ کرتے ہوں۔ چنانچہ اس

موقع پر بھی انھوں نے اپنی تقریر میں مولانا آزادؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ اور دار العلوم دیوبند کا ذکر جس جوش وخروش کے ساتھ کیا وہ مولانا کے لئے انتہائی مسرت انگیز بھی تھا اور حیرت انگیز بھی۔ مسرت انگیز اس لئے کہ مولانا خود اسی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں اور حیرت انگیز اس لیے کہ لاہور میں بیٹھ کر ایک شخص اس درجہ جرأت وجسارت اور بیباکی سے ان حضرات کے محامد ومناقب پر دادِ خطابت دے رہا تھا۔

یہاں ایک اور عجیب وغریب واقعہ کا ذکر کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ سندھ کے ایک بہت پرانے سیاسی لیڈر ہیں جن کا نام محمد امین خاں کھوسو ہے یہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے پرانے تعلیم یافتہ ہیں انھوں نے علی گڈھ سے ۱۹۳۴ء میں ایم اے، ایل ایل بی کیا تھا اور یہاں کی اسٹوڈنٹس یونین کے عہدیدار بھی رہے تھے۔ علی گڈھ سے جانے کے بعد یہ ملک کی سیاسیات میں کود پڑے اور کانگریس کے بہت سرگرم کارکن بن گئے۔ تقسیم کے بعد حالات کو ناسازگار پاکر اپنے وطن جیکب آباد (سندھ) میں خانہ نشین ہوگئے ــــــ انھوں نے ایک مرتبہ مولانا اکبرآبادی صاحب کی مشہور کتاب "مولانا عبید اللہ سندھی اور ان کے ناقد" پڑھی تھی، چونکہ ان کو مولانا سندھی کے ساتھ غیر معمولی ارادت وعقیدت تھی اس لئے وہ یہ کتاب پڑھ کر بیحد مسرور ہوئے اور طبعی طور پر مصنف سے ملاقات کرنے کا جذبہ ان میں پیدا ہوا۔ گذشتہ مئی کے دوسرے ہفتہ کی بات ہے کہ ان سے کسی نے کہا کہ مولانا اکبرآبادی حیدرآباد سندھ میں ہیں وہ فوراً حیدرآباد کے لئے روانہ ہوگئے مگر وہاں پہونچکر انھیں سخت مایوسی ہوئی۔ کھوسو صاحب کا بیان ہے کہ مایوسی کے عالم میں ایک دن اشراق کی نماز کے بعد مراقبہ کر رہا تھا کہ اچانک مجھے مولانا عبید اللہ سندھی سامنے کھڑے ہوئے نظر آئے اور انھوں نے ہنستے ہوئے فرمایا کہ تم کو جس شخص کی تلاش ہے وہ آج کل لاہور میں مقیم ہے چنانچہ کھوسو صاحب لاہور آئے اور انارکلی لاہور کے مشہور ایرکنڈیشن ہوٹل "نعمت کدہ" میں مقیم ہوگئے۔ یہاں اتفاق ایسا ہوا کہ ۶ جون کی تاریخ تھی اور جمعہ کا دن تھا مولانا اکبرآبادی صاحب نماز جمعہ کے لئے حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کی مسجد شیراں والی میں گئے، نماز کے

بعد مولانا عبید اللہ الانور جو مولانا احمد علی صاحب کے صاحبزادے اور ان کے جانشین ہیں مصافحہ کے لئے بڑھے اتنے میں کھوسو صاحب جنھوں نے جمعہ کی نماز یہیں پڑھی تھی مولانا عبید اللہ الانور صاحب سے مصافحہ کے لئے لپکے تو انھوں نے کھوسو صاحب کو مولانا اکبرآبادی صاحب سے ملایا۔ کھوسو صاحب کا مولانا کا نام سننا تھا کہ فرطِ مسرت میں آپے سے باہر ہوگئے اور مولانا اکبرآبادی صاحب کو سینے سے لگاتے ہوئے بولے کہ میرے استاد مولانا سندھی نے جو کچھ کہا تھا اللہ کا شکر ہے کہ وہ سچ نکلا۔ اس کے بعد سب لوگ جب مولانا عبید اللہ الانور کے کمرے میں جاکر بیٹھے تو وہاں کھوسو صاحب نے پورا واقعہ سنایا۔ یہ جمعہ کا دن تھا اس کے دوسرے دن ۷رجون کو کھوسو صاحب نے اپنے ہوٹل میں مولانا کو نہایت شاندار عصرانہ دیا جس میں لاہور کے اکابر علماء جو مولانا عبید اللہ سندھی سے تعلق رکھتے تھے یونیورسٹی کے پروفیسر، اور کچھ سرحد کے خوانین بڑی تعداد میں موجود تھے۔

لاہور میں مولانا کا قیام ۷۲رمئی سے ۹رجون تک رہا۔ اسی دن شام کی گاڑی سے اپنے پروگرام کے مطابق وہ اسلام آباد کے لئے روانہ ہوگئے۔ سوا چھ بجے کے قریب جب ٹرین راولپنڈی کے اسٹیشن پر پہونچی تو آپ کے میزبان سعید الدین احمد صاحب ڈار جو پاکستان گورنمنٹ میں ایک اعلیٰ افسر ہیں استقبال کے لئے موجود تھے، مولانا ڈار صاحب کے ساتھ اسلام آباد آئے اور انھیں کے سرکاری بنگلہ میں مقیم ہوئے۔ ابھی صرف رات گذری تھی کہ اسلام آباد کے علمی حلقوں میں مولانا کی آمد کی خبر مشہور ہوگئی چنانچہ ۱۰رکی صبح کو آٹھ اور نو بجے کے درمیان ڈاکٹر صغیر احمد معصومی اور مولوی تنزیل الرحمان صاحب ایڈوکیٹ (صاحب مجموعہ قوانین اسلام) مکان پر پہونچ گئے اور دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ اسلام آباد میں حکومت پاکستان کا سب سے بڑا اسلامی تحقیقات کا ادارہ "اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ" کے نام سے قائم ہے یہ وہی ادارہ ہے جس کے ڈائرکٹر ڈاکٹر فضل الرحمان تھے جو پچھلے دنوں مستعفی ہوگئے ہیں اب اس ادارہ کے قائم مقام ڈائرکٹر ڈاکٹر صغیر احمد معصومی ہیں جو اپنے اصل عہدہ کے اعتبار سے پروفیسر بھی ہیں، یہ انسٹی ٹیوٹ ایک نہایت عظیم الشان ادارہ ہے جس میں دو پروفیسر چار ریڈر اور آٹھ ریسرچ اسسٹنٹ جو لکچرر گریڈ میں ہیں اسلامیات پر تحقیقات کا کام انگریزی، اردو، بنگلہ اور عربی

میں کر رہے ہیں، اس ادارہ کا ٹیکنیکل اسٹاف بھی بہت وسیع ہے اس کی لائبریری نہایت عظیم الشان ہے جس میں ساڑھے تین سو بالکل نادر مخطوطات بھی ہیں یہ ادارہ چار بڑی بڑی عمارتوں میں قائم ہے اور اس کے سب انتظامات اعلیٰ سے اعلیٰ ہیں۔ ڈاکٹر صغیر احمد معصومی مولانا کے مدرسہ عالیہ کلکتہ کے رفیق کار مولانا ابو محفوظ الکریم معصومی کے بڑے بھائی ہیں اور اسلامیات کے فاضل اور بلند پایہ محقق ہونے کے ساتھ بڑے دیندار بھی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی مولانا سے ان کے قیام کلکتہ کے زمانے میں صرف ایک ملاقات تھوڑی دیر کے لئے ہوئی تھی جبکہ ڈاکٹر صاحب یورپ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لے کر واپس ہو رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو مولانا کے ساتھ نہ صرف ارادت وعقیدت بلکہ بڑی محبت بھی ہے۔ اسی کا اثر تھا کہ جب ۱۰ رجون کی صبح کو انھیں کسی سے مولانا کی آمد کی اطلاع ملی تو آپ کے پاس پہونچ گئے اور دیر تک گفتگو کرتے رہے۔

دوسرے دن ۱۱ رجون کو ڈاکٹر معصومی نے مولانا کو اسلام آباد کے سب سے بڑے ایر کنڈیشن ہوٹل شہرزاد میں ایک لنچ دیا جس میں انسٹی ٹیوٹ کے ارکان کے علاوہ بعض غیر ملکی مہمان اور افسران حکومت بھی شامل تھے۔ مولانا کا بیان ہے کہ یہ لنچ اس درجہ پرتکلف تھا کہ عرب ممالک میں سرکاری دعوتوں کی یاد تازہ ہو گئی۔

۱۲ رجون کو پہلے سے ایک پروگرام کے مطابق "اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ" میں صبح کے وقت ایک جلسہ ہو رہا تھا جس میں مولوی تنزیل الرحمٰن صاحب ایڈوکیٹ "پاکستان میں اسلامی قانون سازی" کے موضوع پر تقریر کرنے والے تھے۔ مولانا کی موجودگی سے فائدہ اٹھا کر ڈاکٹر معصومی نے مولانا سے درخواست کی کہ وہ اس جلسہ کی صدارت کریں جسے آپ نے منظور کر لیا چنانچہ ۹ بجے جلسہ شروع ہوا تو ڈاکٹر معصومی کی تعارفی تقریر کے بعد مولوی تنزیل الرحمان صاحب نے ایک نہایت پرمغز اور پر از معلومات لکچر دیا۔ اس کے بعد مولانا اکبرآبادی صاحب نے بحیثیت صدر تقریر کی جس میں مولوی تنزیل الرحمان صاحب کی تقریر پر مختصر تبصرہ کرنے کے بعد اسلامی قانون سازی کے اصول موضوعہ کے عنوان پر پینتالیس ۴۵ منٹ تقریر کی۔

۱۳؍جون کو انسٹی ٹیوٹ کے ایک سابق پروگرام کے مطابق ڈاکٹر معصومی "اختلافات صحابہ" پر اپنا مقالہ انگریزی میں پڑھ رہے تھے ڈاکٹر صاحب کی خواہش پر مولانا نے اس جلسہ کی بھی صدارت کی اور جب مقالہ کے ختم ہونے پر متعدد حضرات نے سوالات کئے تو سب کی رائے یہ ہوئی کہ اگرچہ یہ سوالات براہ راست ڈاکٹر معصومی کے مقالہ سے متعلق ہیں لیکن حاضرین مجلس کی خواہش ہے کہ صدر جلسہ ان سوالات کے جواب دیں۔ اور خود معصومی صاحب نے بھی اس خواہش کا اظہار کیا، چنانچہ مولانا اکبرآبادی صاحب نے ایک تقریر کی جو ۵۰ ۔ ۴۵ منٹ جاری رہی اور اس میں اختلافات صحابہ کے اسباب و وجوہ ان اختلافات کی نوعیت اور احکام پر ان کے اثرات، ان سب پر روشنی ڈالی۔ انسٹی ٹیوٹ کے حضرات ان دونوں تقریروں سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے مولانا سے درخواست کی کہ اسلام میں اصول تشریع کے موضوع پر دو ایک بھرپور سمینار کرنا چاہتے ہیں مولانا اس میں شریک ہوں اور اس پر اپنے خیالات کا اظہار کریں لیکن چونکہ موصوف ۱۴؍تاریخ کو اسلام آباد سے کراچی کے لئے روانگی کا پروگرام بنا چکے تھے اس لئے انھوں نے معذرت کی۔ علاوہ ازیں اسلام آباد میں قانون پیشہ حضرات کا ایک بڑا بھاری کلب ہے اس کلب کے صدر اور سکریٹری نے بھی کلب میں ایک تقریر کی بڑے اصرار سے فرمائش کی، لیکن مجبوراً ان سے بھی معذرت کرنی پڑی۔ اسلام آباد کے پانچ روزہ قیام میں ڈاکٹر معصومی کے علاوہ ڈاکٹر قدرت اللہ فاطمی ریڈر اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، مولوی تنزیل الرحمان صاحب ایڈوکیٹ اور جناب منہاج الدین بلگرامی جو محکمہ مالیات میں ایک اعلیٰ افسر ہیں، ان حضرات نے پرتکلف لنچ یا ڈنر سے مولانا کی تواضع کی۔

کراچی ـــــ!

۱۴؍جون کو روانہ ہو کر ۱۵؍ کی شام کو مولانا کراچی پہونچے۔ اسٹیشن پر بہت سے اعزہ اقربا اور دوستوں نے استقبال کیا، یہاں ان کا قیام سید قاسم علی صاحب کی کوٹھی نمبر ۲۰ بنگلور ٹاؤن میں ہوا۔ سید صاحب جو وزارت تجارت میں سکریٹری کے عہدہ سے سبکدوش ہو کر ایک کمپنی میں اعلیٰ عہدہ پر فائز ہیں مولانا کے عزیز ہوتے ہیں، یہاں مولانا کی پہلی تقریر کراچی یونیورسٹی میں ہوئی اور اس

کی تقریب یہ ہوئی کہ ۱۹ جون کو کراچی یونیورسٹی میں اسلامک سوشیالوجی کا ایک مستقل ڈیپارٹمنٹ قائم ہو رہا تھا اور وائس چانسلر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اس کا افتتاح کرنے والے تھے۔ ڈاکٹر قریشی سے مولانا کے تعلقات اس زمانے سے ہیں جبکہ تقسیم سے قبل دونوں سینٹ اسٹیفنس کالج دہلی اور دلی یونیورسٹی میں تھے۔ ڈاکٹر قریشی کی جب مولانا سے ایک عرصہ دراز کے بعد ملاقات ہوئی تو وہ بیحد مسرور ہوئے اور انھوں نے خواہش کی کہ نئے شعبہ کے افتتاح کے موقع پر مولانا بھی تقریر کریں۔ چنانچہ مذکورہ بالا تاریخ میں دس بجے یونیورسٹی کے طلبہ اور طالبات اور اساتذہ کے ایک عظیم اجتماع میں مولانا نے کم وبیش ایک گھنٹہ لکچر دیا جس میں یہ بتایا کہ اسلامک سوشیالوجی کیا ہے؟ اور اس کی اہمیت کیا ہے؟

اسی روز کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے پروفیسر اور صدر ڈاکٹر ریاض الاسلام کی طرف سے مولانا کو ایک نہایت پرتکلف اور وسیع پیمانہ پر استقبالیہ دیا گیا جس میں وائس چانسلر اور شہر کے بعض افاضل مثلاً پیر حسام الدین راشدی، پیر علی محمد راشدی کے علاوہ یونیورسٹی کے مختلف شعبوں کے صدر اور اساتذہ بھی شریک تھے یہاں کوئی تقریر نہیں ہوئی لیکن ہندوستان اور پاکستان کے مختلف علمی اور تعلیمی مسائل پر دیر تک تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔

کراچی میں دوسری تقریر ۲۰ جون کو سرسید گرلس کالج میں "اسلام میں عورتوں کے حقوق" کے موضوع پر ہوئی۔ یہ کالج جس کی تعمیر میں سید الطاف علی صاحب بریلوی کی کوششوں کا بڑا دخل ہے کراچی میں لڑکیوں کا بہت بڑا اور ممتاز کالج ہے اس میں کم وبیش تین ہزار لڑکیاں زیر تعلیم ہیں کالج کے ایک نہایت وسیع ہال میں جب دس بجے جلسہ شروع ہوا تو پورا ہال طالبات ومعلمات سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ محترمہ مسز صدیقی جو کالج کی گورننگ باڈی کی چیرمین ہیں جلسہ کی صدارت کر رہی تھیں، ایک لڑکی نے قرآن مجید کی تلاوت کی اس کے بعد سید الطاف علی صاحب بریلوی نے تعارفی تقریر کی اور پھر مولانا نے سوا گھنٹہ مندرجہ بالا موضوع پر ایک لکچر دیا جس کو سب نے بڑے سکون اور توجہ و دلچسپی سے سنا۔ لکچر کے اختتام پر لڑکیوں نے مختلف سوالات کئے جس کے جوابات ان کو دیئے گئے مولانا کا بیان ہے کہ لڑکیوں کے یہ سب سوالات ان کی علمی دلچسپی اور مطالعہ کے ذوق کی دلیل تھے۔ لکچر کے اختتام پر جب مولانا ہال سے نکلنے لگے تو

لڑکیوں کی بڑی تعداد نے آٹوگراف لینے کے لئے یورش کی۔ ان سب کی تعمیل اس وقت ناممکن تھی اس لئے مولانا ساٹھ ستر آٹوگراف بکس لڑکیوں کی اجازت سے اپنے گھر لے آئے اور دوسرے دن ان کی خانہ پُری کرکے انھیں کالج کے دفتر واپس کردیا۔

۲۸ رجون کو سید الطاف علی بریلوی سکریٹری آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس نے۔ کانفرنس کے دفتر میں مولانا کے لکچر کا انتظام کیا تھا چنانچہ شام کو چھ بجے جلسہ شروع ہوا جس میں کراچی کے ارباب علم و ادب اور ارباب تعلیم و تحقیق کا بڑا عمدہ اور منتخب مجمع تھا۔ جلسہ کے صدر پاکستان کے بہت مشہور صاحب علم و ادب جناب ممتاز حسن صاحب (ستارۂ پاکستان) تھے۔ سید الطاف علی صاحب کی تعارفی تقریر کے بعد مولانا نے "دینی تعلیم کا حال اور مستقبل" کے موضوع پر سوا گھنٹہ تک لکچر دیا۔ لکچر کے بعد نماز مغرب سے فارغ ہوکر جب دوبارہ جلسہ شروع ہوا تو متعدد حضرات نے سوالات کئے جن کے جوابات تسلی بخش طریقہ پر دیئے گئے۔ آخر میں جناب ممتاز حسن صاحب نے بحیثیت صدر ایک فاضلانہ تقریر کی اور اس میں مولانا کی تقریر کی حد سے زیادہ تعریف و توصیف کی۔ اس میں انھوں نے یہاں تک کہا کہ اس موضوع پر آج تک میں نے اس درجہ مدلّل پراز معلومات اور بصیرت افروز تقریر نہیں سنی۔ انھوں نے مزید کہا کہ دینی تعلیم کے متعلق عرصہ سے میرے دماغ میں چند شکوک اور شبہات تھے لیکن میں اقرار کرتا ہوں کہ آج مولانا کی فصیح و بلیغ تقریر سننے کے بعد میرے وہ تمام شکوک و شبہات دور ہوگئے اور دینی تعلیم کی اہمیت و ضرورت اور اس کی وسعت کا مجھ کو یقین ہوگیا ـــــ فاضل صدر کی تقریر کے بعد مسٹر حسین امام (مشہور سرحسن امام کے برادر بزرگ) نے کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے مولانا کے شکریہ میں ایک مختصر تقریر کی اور اس میں انھوں نے بھی کم و بیش انھیں خیالات کا اظہار کیا جو ان سے پہلے ممتاز حسن صاحب کرچکے تھے۔

۲۹ رجون کو مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے مولانا اکبرآبادی صاحب کو اپنے یہاں مدعو کیا۔ مولانا بنوری صاحب برصغیر ہندوپاک کے نہایت ممتاز عالم محقق اور مصنف ہیں۔ انھوں نے کراچی میں ایک نہایت عظیم الشان عربی کا مدرسہ "مدرسہ عربیہ اسلامیہ" کے نام سے قائم کیا ہے۔ مدرسہ کے ساتھ

ایک نہایت عظیم الشان اور بڑی خوبصورت مسجد ہے جو کئی لاکھ روپے سے تیار ہوئی ہے ۔ مدرسہ کی عمارت جو مسجد سے بالکل متصل ہے دو منزلہ ہے جس میں طلبہ کے رہنے کے کمرے ، کلاس رومز ، دفتر اور مہمان خانہ وغیرہ سب بالکل جدید طرز کا اور ٹیپ ٹاپ کا ہے ۔ اس مدرسہ کی دو خصوصیتیں بہت اہم ہیں ۔ ایک یہ کہ مولانا بنوری اس مدرسہ کے لئے کبھی چندہ کی اپیل نہیں کرتے ، کوئی اشتہار نہیں دیتے اور دوسری یہ کہ زکوٰۃ کا پیسہ مدرسین کی تنخواہوں کے لئے قبول نہیں کرتے ۔ تعلیمی اعتبار سے یہ مدرسہ اس اعتبار سے ممتاز ہے کہ یہاں علوم اسلامیہ پر ریسرچ کا ایک خاص شعبہ ہے جس کو تخصص کا شعبہ کہتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو طلبہ تخصص کے شعبہ میں داخل ہوتے ہیں ان کو موضوع سے متعلق نہایت وسیع مطالعہ کرایا جاتا ہے ۔ مولانا بنوری بہت بڑے عالم ہونے کے ساتھ ان جدید علمی اور دینی ضرورتوں سے پوری طرح باخبر ہیں جو جدید علوم وفنون کی ترقی نے پیدا کر دی ہیں اس لئے مدرسہ کے نصاب تعلیم میں ان ضرورتوں کی تکمیل کا اور ساتھ ہی طلبہ کی دینی اور اخلاقی تربیت کا خاص طور سے خیال رکھا گیا ہے ۔ علاوہ ازیں طلبہ کے قیام وطعام کا جو اعلیٰ انتظام یہاں ہے وہ دوسرے مدارس میں کم ہی ہوگا ۔

مولانا بنوری اور مولانا اکبر آبادی دونوں دیوبند کے فارغ التحصیل اور حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں اس بنا پر دونوں میں دیرینہ اخلاص ومحبت کا رشتہ اور رابطہ قائم ہے اسی تعلق کی بنا پر ۲۹ جون کو مولانا بنوری نے مولانا اکبر آبادی کو صبح کے وقت مدعو کیا ۔ مولانا کے اعزاز میں مولانا بنوری نے چند معززین شہر کو بھی مدعو کر لیا تھا مولانا اکبر آبادی جب مدرسہ پہونچے تو مولانا بنوری نے اپنے چند رفقار کے ساتھ خود چل پھر کر مولانا کو مسجد اور مدرسہ کی ایک ایک چیز کا معائنہ کرایا ۔ اس مدرسہ کی لائبریری بہت عظیم الشان ہے ، مولانا بنوری نے اس لائبریری کی خاص خاص اور اہم کتابیں بھی دکھائیں اس کے بعد مدرسہ کے ایک وسیع ہال میں طلبہ ، اساتذہ اور معززین شہر کا ایک اہم اجتماع ہوا جس میں پہلے مولانا بنوری نے نہایت پرجوش اور ولولہ انگیز تعارفی تقریر کی جس کے ایک ایک لفظ سے اس محبت وخلوص کا اندازہ ہوتا تھا جو معزز میزبان کو اس اجتماع کے مہمان خصوصی کے ساتھ تھا ۔ مولانا بنوری کی تعارفی تقریر کے بعد مولانا اکبر آبادی کی تقریر ہوئی جو

کم وبیش ایک گھنٹہ جاری رہی۔ موصوف نے اپنی تقریر میں مدارس عربیہ کے نصاب پر مفصل گفتگو کر کے اس پر روشنی ڈالی کہ اس نصاب میں کیا کیا تبدیلیاں ہونی چاہئیں اور کیوں۔ اس ضمن میں انھوں نے ان افکار و نظریات کا تجزیہ کیا جو علوم جدیدہ کی غیر معمولی ترقی کے باعث پیدا ہو رہے ہیں اور جن کا زد براہ راست اسلامی افکار و نظریات پر پڑ رہی ہے۔ آخر میں مولانا بنوری کی شخصیت، ان کے علمی اور تبلیغی کاموں کا تذکرہ کر کے اپنی اس غیر معمولی مسرت کا اظہار کیا جو مدرسہ کو دیکھ کر پیدا ہوئی۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد مولانا بنوری کی طرف سے ایک نہایت شاندار اور پر تکلف لنچ ہوا جس میں مدرسہ کے اساتذہ کرام کے علاوہ بہت سے بیرونی حضرات بھی شریک تھے۔

یکم جولائی کا دن مولانا کے لئے بڑی مصروفیت کا دن تھا۔ اس روز دوپہر کا کھانا برصغیر ہندو پاک کے مشہور شاعر جناب عبدالعزیز خالد کے ساتھ کھایا جنھوں نے تکلفات کی حد کر دی تھی، مولانا کے اعزاز میں متعدد ارباب علم و ادب کو بھی مدعو کیا تھا۔ اسی روز صبح کو دس بجے مدرسہ یعقوبیہ کا معاینہ کیا اور وہاں کے طلبا کا امتحان لیا شام کو پانچ بجے شعیب محمدی ہائی اسکول کے استقبالیہ میں شریک ہوئے اور تعلیم کے موضوع پر تقریر کی اس کے بعد چھ بجے پاکستان کے نہایت ممتاز اور مشہور عالم مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کے استقبالیہ میں شریک ہوئے۔ مولانا کی شخصیت پاکستان میں بڑی بھاری بھرکم ہے عوام و خواص میں ان کی خطابت بہت مقبول ہے اور ملک کے سیاسی حلقوں پر بھی ان کا بڑا اثر ہے، مولانا نے یہ استقبالیہ کوسموپولیٹن کلب میں منعقد کیا تھا۔ انگریزی تعلیم یافتہ حضرات، علماء کرام اور تجار، یونیورسٹی اور کالجوں کے اساتذہ، بعض مشائخ عظام اور بعض سیاسی پارٹیوں کے سربراہ دو ڈھائی سو کی تعداد میں موجود تھے۔ استقبالیہ کا انتظام ایک بڑے شامیانے کے نیچے کیا گیا تھا۔ اس میں قرآن مجید کی تلاوت کے بعد پہلے مولانا تھانوی نے مولانا اکبرآبادی کے تعارف میں پندرہ منٹ تک فصیح و بلیغ تقریر کی جس میں موصوف کی علمی اور تحقیقی تصنیفات اور تعلیمی و تدریسی خدمات کا بہت پرجوش طریقے پر تذکرہ فرمایا۔ اس کے بعد مولانا اکبرآبادی نے "ہمارا نظام تعلیم کیسا ہونا چاہیئے" کے موضوع پر ایک گھنٹہ تقریر کی۔ اس استقبالیہ میں سابق وزیر اعظم چودھری محمد علی، مولانا محمد یوسف

بنوری، پیر مانکی شریف، پروفیسر احسان رشید صدر شعبہ اقتصادیات کراچی یونیورسٹی اور علامہ سراج الدین بھی موجود تھے۔ ان حضرات نے خاص طور پر مولانا کی تقریر کی بڑی داد دی اور دیر تک تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔ پاکستان میں مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کی جو پوزیشن ہے اس کی وجہ سے کراچی کے اخبارات نے اس استقبالیہ کے فوٹو بھی شائع کئے اور مولانا اکبرآبادی صاحب کی تقریر کا خلاصہ بھی۔ کراچی میں لوگ کہتے تھے کہ پاکستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ مولانا تھانوی نے کسی بیرون ملک کے عالم کو اس بڑے پیمانے پر استقبالیہ دیا ہو۔ اس سلسلہ میں یہ ذکر کرنا رہ گیا کہ کراچی میں ایک بہت پرانا مدرسہ مدرسہ مظہر العلوم کھڈا ہے اس مدرسہ کو مولانا عبیداللہ سندھی کے ساتھ خصوصًا اور دوسرے اکابر دیوبند کے ساتھ عمومًا بہت گہرا تعلق رہ چکا ہے۔ اس تعلق کی بنا پر ایک روز مدرسہ کے ارباب حل وعقد نے مولانا کو اپنے یہاں مدعو کیا اور بڑا شاندار استقبالیہ دیا جس میں مدرسہ کے اساتذہ کے علاوہ حیدرآباد سندھ سے مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی اور چند دوسرے مقامی علماء وفضلاء شریک تھے۔

اخبارات میں مولانا اکبرآبادی کا تذکرہ آنے کی وجہ سے کراچی کے مختلف ادبی، علمی اور تعلیمی اداروں کی طرف سے بھی تقریر اور استقبالیہ کی پیہم دعوتیں آرہی تھیں لیکن چونکہ پروگرام میں کوئی گنجائش نہیں تھی اس لئے سب سے معذرت کرنی پڑی۔ اور ۳ر جولائی کو تیزگام سے لاہور کے لئے روانگی ہوگئی، اسٹیشن پر الوداع کہنے کے لئے مولانا کے اعزہ اقرباء اور خاص دوستوں کے علاوہ متعدد اخبارات کے نمائندے یونیورسٹی کے اساتذہ اور ارباب علم وادب بڑی تعداد میں موجود تھے۔

۴ر جولائی کو جب مولانا لاہور پہونچے تو ان کے لئے یہاں پہلے سے ایک پروگرام تیار تھا چنانچہ ۵ر جولائی کی شام کو چھ بجے لاہور کے مشہور ادارے "آئینۂ ادب" کی ایک ادبی تقریب میں شریک ہوئے اور اقبال پر ایک تقریر کی، جس میں اقبال کے متعلق بعض ذاتی تجربات بیان کئے، چونکہ یہ ایک نئی چیز تھی اس لئے ارباب علم وادب کے اس منتخب مجمع نے اس کو بڑی دلچسپی اور توجہ سے سنا۔

۷ر جولائی کو لاہور کے ماہنامہ "سیارہ" کے ایڈیٹر اور اردو زبان کے مشہور ادیب وشاعر جناب نعیم صدیقی نے پارک لگژری نامی ایرکنڈیشنڈ ہوٹل میں مولانا کو استقبالیہ دیا، اس میں

لاہور کے ادبار اور شعراء اور اہل قلم کا بڑا اچھا اجتماع تھا۔ اس میں پہلے نعیم صدیقی صاحب نے مولانا کے تعارف میں ایک تحریر پڑھی اور اس کے بعد مولانا نے "نظام تعلیم کی اصلاح" پر کم وبیش چالیس منٹ تقریر کی۔

۸ رجولائی کو پنجاب یونیورسٹی لاہور کے شعبۂ اردو کے ریڈر اور "صحیفہ" کے ایڈیٹر ڈاکٹر وحید قریشی نے نہایت پر تکلف عصرانہ دیا جس میں امتیاز علی تاج، پروفیسر محمد عثمان، مشہور ناول نویس ایم اسلم، مولوی محمد اسماعیل پانی پتی اور دوسرے ارباب علم و ادب کا ایک بڑا اچھا اجتماع تھا۔

۹ رجولائی کو جناب اشرف صبوحی صاحب نے ہمدرد فاؤنڈیشن کی طرف سے پارک لگژری ہوٹل میں نہایت پر تکلف اور وسیع پیمانے پر ایک عصرانہ دیا اس موقع پر پہلے ڈاکٹر عبادت بریلوی نے تعارفی تقریر کی، اس کے بعد مولانا نے مجمع کو خطاب کیا۔ چونکہ یہ مجمع زیادہ تر ادبی قسم کا تھا اس لئے مولانا کی یہ تقریر بھی خالص ادبی رنگ کی تھی، جس کو لوگوں نے بڑی دلچسپی سے سنا اور مسکرا مسکرا کر داد دیتے رہے۔ یہ عصرانہ بھی اس درجہ اہم تھا کہ دوسرے دن اخبارات میں اس کا فوٹو اور اس کے اقتباسات شائع ہوئے۔

۱۱ رجولائی کا دن بہت مصروف دن تھا کیونکہ اس روز صبح کو نو بجے مولانا نے پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ پبلک ایڈمنسٹریشن کی دعوت پر "اسلام کے معاشی نظام" پر ایک توسیعی لکچر دیا اس لکچر میں اس شعبہ کے پوسٹ گریجویٹ طلبہ اور طالبات اور اسٹاف کے علاوہ دوسرے شعبوں کے طلبہ اور اساتذہ بھی خاصی تعداد میں شریک ہوئے حسب ضابطہ لکچر کے بعد طلبہ اور طالبات کی بڑی تعداد نے سوالات کرنے چاہے لیکن چونکہ لکچر کافی طویل ہو گیا تھا اور ادھر جمعہ کا دن بھی تھا پھر مولانا کو ٹی پارٹی میں بھی شریک ہونا تھا اس لئے شعبہ کے صدر ڈاکٹر محمد افضل نے ان طلبہ اور طالبات سے معذرت کی اور جلسہ برخواست ہو گیا۔

شام کو انگریزی کتابوں کے مشہور ناشر شیخ محمد اشرف کی طرف سے مولانا کو ایک عشائیہ دیا گیا اس میں یونیورسٹی کے اساتذہ اور علماء کی معقول تعداد کے علاوہ جماعت اسلامی کے امیر مولانا سید

ابوالاعلیٰ مودودی، میاں محمد طفیل، آغا شورش کاشمیری، میاں امیرالدین اور پروفیسر عبدالحمید صدیقی بھی تھے۔ ڈنر تو خیر بہت پر تکلف اور شاندار تھا ہی لیکن اس مجلس میں مختلف موضوعات پر مولانا اکبر آبادی اور مولانا مودودی اور دوسرے حضرات میں جو مذاکرہ ہوا وہ بڑا دلچسپ اور بصیرت افروز تھا۔ کبھی موقع ہوا تو اس کی روئداد مولانا اکبر آبادی ہی کے قلم سے سُن لیجئے گا۔

۱۱ جولائی کو اردو کے مشہور ماہنامہ "اردو ڈائجسٹ" کے مالک اور ایڈیٹر صاحبان کی درخواست پر مولانا نے "اردو ڈائجسٹ" کے عملہ اور دفاتر کا معاینہ کیا اور ان حضرات کے ساتھ چائے پی اس کے بعد لاہور کے مشہور عربی مدرسہ جامعہ مدینہ میں تشریف لے گئے اور وہاں مدرسہ کے مختلف شعبوں کا معاینہ کرنے کے بعد اساتذہ اور طلبہ کے مجمع کو خطاب کیا اس خطاب کا موضوع تھا "علوم دینیہ کی تعلیم کیوں ضروری ہے" تقریر اس درجہ مؤثر ہوئی کہ جب مولانا نے موجودہ زمانے میں اسلام کی مظلومیت کا درد انگیز نقشہ کھینچا تو بہت سے اساتذہ بے ساختہ رو پڑے۔ چونکہ اگلے دن ۱۲ جولائی کو لاہور سے علی گڈھ کے لئے روانہ ہونا تھا اس لئے مولانا کے داماد ڈاکٹر محمد اسلم نے جس طرح مولانا کے ورودِ لاہور کے دن سب سے پہلے استقبالیہ دیا تھا اسی طرح انھوں نے ۱۱ جولائی کی شام کو مغرب بعد الوداعی ڈنر بھی دیا یہ ڈنر بھی بہت پر تکلف تھا۔ اس میں پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر علاءالدین صدیقی، آغا شورش کاشمیری، پروفیسر عبادت بریلوی، ڈاکٹر وحید قریشی، شیخ محمد اشرف، جناب محمد ادریس میمنائی ڈائرکٹر نیشنل بینک آف پاکستان، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، سعیدالدین احمد ڈار، مولوی عبداللہ قریشی، جناب اشرف صبوحی، مولانا ابوبکر غزنوی صدر شعبہ اسلامیات انجینئرنگ یونیورسٹی پشاور اور دوسرے اور بعض ارباب علم و ادب حضرات موجود تھے۔ کھانے سے فراغت کے بعد ان سب حضرات نے مولانا کو غایت درجہ محبت و اخلاص کے ساتھ معانقہ کر کے الوداع کہا۔

ہم نے اس مضمون میں صرف مولانا کی ان سرگرمیوں اور مصروفیتوں کا تذکرہ کیا ہے جو پبلک حیثیت رکھتی ہیں اور جن کا تذکرہ پاکستان کے اخبارات میں فوٹو کے ساتھ یا بغیر فوٹو کے برابر ہوتا رہا ان خبروں

کے علاوہ مولانا اکبرآبادی پر پاکستان کے ممتاز اخبار "مشرق" کی اشاعت مورخہ ۱۱ر جولائی میں پاکستان کے مشہور کالم نویس انتظار حسین صاحب کے قلم سے مولانا کے فوٹو کے ساتھ ایک مقالہ بھی شائع ہوا۔ یہ مقالہ جلی سرخیوں کے ساتھ دو کالمی تھا۔ اور اس میں فاضل مقالہ نگار نے مولانا کی علمی اور تعلیمی خدمات خاص کر برہان کے بلند علمی معیار کو بہت زیادہ سراہا تھا اور "ندوۃ المصنفین" کے کاموں کی بڑی تعریف کی تھی۔

مندرجہ بالا مصروفیتوں اور سرگرمیوں کے علاوہ مولانا نے پاکستان میں اپنے کن کن دوستوں اور قدر دانوں سے ملاقات کی اور انھوں نے کس طرح مولانا کی پذیرائی کی، کیا کیا گفتگوئیں ہوئیں اور ڈیڑھ ماہ کے قیام پاکستان میں مولانا نے کیا کیا دیکھا اور کیا محسوس کیا اس کی روئداد اگر موقع ہوا تو مولانا خود اپنے قلم کی زبانی سنائیں گے بہر حال اس میں شبہ نہیں جیسا کہ حال میں پاکستان سے علی گڑھ آنے والے بعض حضرات سے معلوم ہوا پاکستان میں مولانا اکبرآبادی کا جو ہمہ جہتی اعزاز و اکرام ہوا وہ آج تک کسی ہندوستانی کا نہیں ہوا تھا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

دین الٰہی اور اس کا پس منظر

اس کتاب میں اکبری دور کے مذہبی اور سیاسی فتنوں کا مکمل طور پر تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے اکبر کی ابتدائی زندگی کے حالات، علماء سوء اور خام صوفیا کا اکبر کی مجالس میں اثر و رسوخ، اکبر کا نظریۂ وحدت الوجود اور تحریف قرآن پر ایمان، شیخ مبارک کی دربار اکبری میں آمد اور اس کی فتنہ سامانیوں کا مکمل تذکرہ کیا گیا ہے۔

تالیف: ڈاکٹر محمد اسلم استاذ شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی

صفحات ۳۴۲ کتابت و طباعت بہتر تقطیع متوسط ۲۲×۱۸/۸ قیمت مجلد سات روپے بلا جلد چھ روپے

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶